معیار: علمی وتحقیقی مجلّہ, شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد:۱، شمارہ:۲ جولائی-دسمبر ۲۰۰۹ء

تبصراتی مقالہ

پاکستان کا تصور

The Idea of Pakistan

By: Stephen Philip Cohan, The Brookings Institution Washington, 2004. pages 382

اُردو ترجمہ: شفیق الرحمٰن میاں، وین گارڈ بکس، لاہور/ کراچی/اسلام آباد؛ ۲۰۰۸ء

فتح محمد ملک*

اِس تاریخی صداقت سے انکار ناممکن ہے کہ پاکستان کا جغرافیائی وجود اقبال کے تصورِ پاکستان سے پھوٹا ہے۔ برطانوی ہند میں الہ آباد کے مقام پر، کُل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں خطبۂ صدارت پیش کرتے وقت علامہ اقبال نے برعظیم میں جداگانہ مسلمان قومیت کی بُنیاد پر، آزاد اور خودمختار مسلمان مملکتوں کے قیام کا تصور پیش کیا تھا۔ دس برس بعد لاہور کے مقام پر کُل ہند مسلم لیگ نے قائداعظم کی قیادت میں اقبال کے تصورِ پاکستان کو قراردادِ پاکستان کی صورت بخشی اور یوں اقبال کا یہ تصور تحریکِ پاکستان کا سب سے بڑا محرک بن گیا۔ عوامی جمہوری تحریکِ پاکستان نے صرف سات برس کے عرصے میں پاکستان قائم کر دکھایا۔ ہماری قومی آزادی اور خودمختاری کی تحریک کے آخری تین مراحل تصورِ پاکستان، تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کا ناگزیر ربطِ باہم اختلاطِ جان وتن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس باہمی ربط کو توڑنا گویا پاکستان کے بدن سے پاکستان کے تصور کو نکال باہر پھینکنا ہے۔ جسم سے جان کو جُدا کر دینے کی مساعی ہے۔ زیرِ نظر کتاب "The Idea of Pakistan" اور اُس کا ترجمہ ''تصورِ پاکستان'' ایک ایسی ہی سعیٔ نامشکور ہے۔

امریکی سپاہِ دانش (تھینک ٹینکس) پاکستان کے خلاف نظریاتی جارحیت کا ہراول دستہ ہیں۔ مغربی حکومتوں کی مالی اور نظریاتی سرپرستی میں پاکستان کی اصل نظریاتی بنیادوں کو مٹا کر ایک نئی نظریاتی تشکیل کی سرگرمی روز بروز زور پکڑتی چلی جارہی ہے۔ وہ پاکستان مخالف سوالات جو سن انیس سو چالیس کی قرارداد پاکستان سے لے کر قیامِ پاکستان تک تحریکِ پاکستان کے مخالف دانشوروں نے بڑی شدومد کے ساتھ اُٹھائے تھے پھر سے اُٹھائے جارہے ہیں۔ تحریکِ پاکستان کے دوران ہمارے آباؤاجداد نے پاکستان کے تصور اور پاکستان کی تحریک کے خلاف پیش کیے گئے استدلال کی اپنی فہم وفراست کے ساتھ مؤثر طور پر تردید کر دی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اسلامیانِ ہند کی بھاری اکثریت نے ووٹ کے ذریعے پاکستان قائم کر کے اُس مخالفانہ استدلال کو باطل ثابت کر دکھایا تھا۔ آج پاکستان کے اندر اُس ردکردہ اور باطل استدلال کو

* سرپرست: معیار؛ ریکٹر، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

مغربی ممالک کی سپاہِ دانش نت نئے فریب کے ساتھ پذیرائی بخشنے میں کوشاں ہے۔ اِس کی ایک تازہ مثال امریکی حکومت کے پالیسی پلاننگ سٹاف کے ایک سابق رُکن سٹیفن فلپ کوہن کی کتاب"The Idea of Pakistan" ہے۔

جناب سٹیفن کوہن آج کل امریکی حکومت ہی کے لیے کام کرنے والے ایک ادارے Brookings میں فارن پالیسی سٹڈیز پروگرام میں سینئر فیلو کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب امریکی خارجہ پالیسی کے رہنما اصولوں کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔ جناب کوہن اکھنڈ بھارت کی آئیڈیالوجی پر کاربند ہیں۔ چنانچہ اُن کے نزدیک تحریکِ پاکستان کی کامیابی ایک المناک (Tragic Victory) کامیابی ہے۔ اپنی کتاب کے ابتدائیہ میں وہ پاکستان کو ایک ناکام ریاست ثابت کرنے اور اس کے انجام سے ہمیں اور دُنیا کو ڈرانے کے متعدد منظر نامے پیش کرتے ہیں۔ میں اپنی اس مختصر تحریر میں پاکستان کے تصور کی ناکامی پر اُن کی رائے سے بحث کروں گا۔ لکھتے ہیں:

> "Failure of vision. Pakistan's founders expected the idea of Pakistan to shape the state of Pakistan; instead, a military bureaucracy governs the state and imposes its own vision of a Pakistani nation."

یہ بات درست ہے کہ ہم اب تک پاکستان کے اندر تصورِ پاکستان کو مؤثر طور پر نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں مگر یہ ناکامی ہماری ناکامی ہے نہ کہ تصورِ پاکستان کی۔ ایسی ہی ناکامی امریکہ اور بھارت کو بھی ہوئی ہے۔ کیا آج کا امریکہ تھامس جیفرسن، ابراہم لنکن اور جارج واشنگٹن اور اُن کے پیروکار امریکیوں کے خوابوں کا امریکہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بانیوں کے خواب تو جارج ڈبلیو بُش نے مٹی میں ملا کر رکھ دیئے ہیں۔ کیا مہاتما گاندھی کے خواب و خیال بھارت کی عملی زندگی میں جلوہ گر ہو گئے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مہاتما گاندھی کو تو عین اُس وقت تشدد کا نشانہ بنا کر مار ڈالا گیا تھا جب وہ عدم تشدد کا پرچار کرنے میں مصروف تھے۔ کیا جواہر لعل نہرو کا سوشلسٹ گریٹر انڈیا وجود میں آ گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر کیا امریکہ اور بھارت بھی ناکام ریاستیں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی اعتبار سے پاکستان بھی ایک ناکام ریاست نہیں ہے۔ مثالی تصورات کو عملی قالب عطا کرنا دشوار عمل ہے۔ خواب اور حقیقت کے درمیان مکمل ہم آہنگی کی جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔ جب تک خوابوں سے رشتہ قائم ہے اور اُنہیں حقیقت میں ڈھالنے کی تمنا زندہ ہے، افراد اور اقوام جہدآزما رہتی ہیں۔ یہی جدوجہد اُن کی بقا اور ارتقاء کی ضامن ہوتی ہے۔ ہمارے عوام تصورِ پاکستان پر یقین رکھتے ہیں اور اُسے پاکستانی زندگی میں جلوہ گر دیکھنا چاہتے ہیں مگر لیاقت علی خاں کی شہادت کے فوراً بعد ہمیں اُس قیادت سے محروم کر دیا گیا جو تحریکِ پاکستان کے خواب و خیال کو پاکستان میں حقیقت کا روپ دینے میں مصروف تھی۔ شہیدِ ملت کے جانشین برطانوی افسر شاہی کے نمائندے تھے جنہوں نے امریکی مفادات کی چاکری کا چلن اپنا کر تحریکِ پاکستان کے خواب و خیال کو فراموش کر دیا۔ یہ چلن حکمران طبقے کا تھا اور ہے۔ پاکستان کے عوام اس چلن سے نفرت رکھتے ہیں اور تصورِ پاکستان سے اٹوٹ اور والہانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ پاکستانی عوام کے اس قومی جوش و جذبہ سے خائف بیرونی قوتیں پاکستان کے وژن کی ناکامی کا ڈھنڈورا پیٹ کر ہمارے ہاں فکری انتشار اور نظریاتی خلفشار پیدا کرنے میں کوشاں ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان کو نت نئے استدلال کے ساتھ ناکام ریاست کیوں ثابت کیا جا رہا ہے؟ فقط اس لیے کہ پاکستان ایک ناکام ریاست نہیں ہے۔ ہر چند تحریکِ پاکستان کے خواب و خیال پاکستان کی اجتماعی زندگی کے ٹھوس قالب میں اب تک نہیں ڈھالے جا سکے تاہم اس امر کا قوی امکان موجود ہے کہ آئندہ ہم اُن خواب و خیال کو پاکستان میں عملاً نافذ کر دیں۔ آج پاکستان عملی طور پر ایک اسلامی ریاست نہیں ہے

مگر امکانی طور پر ایک اسلامی ریاست ضرور ہے۔ امریکی اور بھارتی سپاہِ دانش اسی خوف میں مبتلا ہے۔ چناں چہ امریکی سپاہِ دانش آج پاکستان کی اصل نظریاتی شناخت کو مٹا کر امریکہ اور بھارت کے مفیدِ مطلب ایک نئی نظریاتی اساس ایجاد کرنے میں مصروف ہے۔ مستقبل قریب میں پاکستان کی تباہی کے مختلف منظر نامے پیش کرنے کے بعد سٹیفن کوہن پاکستان کو ممکنہ تخریب سے بچانے کا درج ذیل نسخہ تجویز فرماتے ہیں:

> "Here, I again ask which policies-economic, political, strategic-pursued now might avert the worst outcomes and help steer the country in a direction compatible with its own identity and interests, as well as the key interests of the United States and Pakistan's important neighbors. A stable, prosperous, progressive Pakistan could trigger a new spurt of South Asian development, in partnership with India and Afghanistan."[1]

درج بالا سطور میں ہمیں خبردار کیا گیا ہے کہ تباہی سے بچنے کی خاطر پاکستان اپنی قومی شناخت کو امریکہ کے کلیدی مفادات اور اپنے اہم ہمسایہ ممالک کے مفادات سے ہم آہنگ کرنے کی راہ اپنائے۔ آخری سطر میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اہم ہمسایہ ممالک سے مراد بھارت اور افغانستان ہیں۔ گویا چین، ایران اور روس کے اہم ترین ہمسایہ ممالک کو بھول جانا بھی اس نئی پاکستانی شناخت کے لیے ضروری ہے۔ اسی بحث کے دوران سٹیفن کوہن صاحب رُوس کی مثال پیش کرتے ہیں جس نے سوویت یونین کی اشتراکی نظریاتی شناخت کو مٹا کر زار شاہی کی روایات پر مبنی نئی روسی شناخت ایجاد (Reinvent) کر لی ہے۔ سٹیفن کوہن صاحب کے محاکے کی رُو سے پاکستان کو اپنی بقا کی خاطر اپنی اصل نظریاتی شناخت مٹا کر وہ پُرانی جغرافیائی شناخت اپنا لینی چاہیے جس سے پاکستان کے بارے میں بھارت کے تحفظات بھی ختم ہو سکیں اور امریکہ اور بھارت ہر دو کے کلیدی مفادات (Key interests) کا حصول بھی یقینی بن سکے۔ یہ ہے وہ نیا وژن جسے مقبولِ عام بنانے کی خاطر پاکستان کے اصل وژن کی ''ناکامی'' کی ہوائی اُڑائی جا رہی ہے۔

حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پاکستان کا اصل وژن (تصور) زندہ ہے۔ سٹیفن کوہن کا استدلال یہ ہے کہ آج پاکستان پر اس اصل وژن کی بجائے فوجی افسر شاہی کے وژن (تصور) کا تسلط ہے۔ اس تسلط کی ایک تاریخ ہے۔ غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خاں نے سرد جنگ کے زمانے میں امریکہ کے کلیدی مفادات کی چاکری کی خاطر یہ وژن امریکی سی آئی اے اور امریکی حکومت کی تائید و حمایت کے ساتھ پاکستان پر مسلط کیا تھا (تفصیلات کے لیے دیکھیے کتاب ''ایوب خان'' از الطاف گوہر)۔ اِن لوگوں نے امریکی دباؤ میں آ کر پاکستان کے اصل وژن (تصور) سے عارضی اور وقتی طور پر انحراف کیا تھا۔ افسوس کہ یہ عارضی اور وقتی حکمتِ عملی پاکستان میں مستقل پالیسی ہو کر رہ گئی۔ جنرل ضیاء الحق نے پاکستان کے اصل وژن کو پس پشت ڈال کر افغانستان میں روس کے خلاف جنگ میں پاکستان کو کرائے کا امریکی سپاہی بنا دیا اور یوں پاکستان کے اصل وژن پر عمل معطل ہو کر رہ گیا۔ سوویت یونین کی تخریب اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ اور دُنیائے اسلام کے درمیان گرم جنگ کا آغاز ہوا تو صرف امریکہ ہی نہیں ساری کی ساری مغربی دُنیا ہماری اسلامی شناخت کے خوف میں مبتلا ہو کر بھارت کو علاقائی سپر پاور بنانے میں سرگرمِ عمل ہو گئی۔ چنانچہ آج ہمیں دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر ہمیں زندگی مطلوب ہے تو اپنے لیے ایک ایسی قومی شناخت ایجاد کریں جو امریکہ کے کلیدی مفادات کے ساتھ ساتھ بھارت کے عزائم سے بھی ہم آہنگ ہو۔ یہ ہے پاکستان کا وہ نیا وژن جسے اپنانے کے

۱۔ ص ۲

لیے ہمیں اپنی آزادی، خودمختاری اور اسلامی شناخت کو قربان کر دینے کا درس دیا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان کے عوام امریکی سپاہِ دانش کی اس نظریاتی جارحیت کا منہ موڑ کر رکھ دیں گے۔

پاکستان کی ہندوستانی شناخت؟

''تصورِ پاکستان'' کے دوسرے باب بعنوان ''دی سٹیٹ آف پاکستان'' میں یہ لازم ٹھہرایا ہے کہ پاکستان ۱۱/۹ کے بعد کے حقائق کی روشنی میں اپنے لیے ایک نیا خطۂ خواب (New ideological territory) تلاش کرے۔ لکھتے ہیں:

> "Both the idea and the state of Pakistan are evolving in unexpected directions, forcing its leaders to explore new political and ideological territory. For a number of reasons, the original idea did not stick"[۲].

ہر چند حقیقی تصورِ پاکستان سے دستبردار ہو کر ایک نئی سیاسی اور نظریاتی شناخت اپنا لینے کا یہ مشورہ امریکہ کے ہنگامی اور وقتی مفادات کے پیشِ نظر قابلِ فہم ہے تاہم تصورِ پاکستان کے بے اثر یا از کار رفتہ ہو جانے کی بات ایک ایسا جھوٹ ہے جسے اکثر مغربی دانشور سچ کر دکھانے میں دُور کی کوڑیاں لانے میں مصروف ہیں۔ پاکستان کا تصور ایک زندہ تصور ہے جسے عملی زندگی میں جاری و ساری کرنا ہماری عصری زندگی کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اِس اہم ترین ضرورت کو ہم گذشتہ پچاس برس سے امریکی مفادات کی خاطر پسِ پشت ڈالتے چلے آ رہے ہیں۔ سرد جنگ کے زمانے میں پاکستان کے مفادات کو امریکی مفادات سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر ہمارے حکمران طبقے نے پاکستان کی نظریاتی اساس کی تفسیر و تعبیر میں تراش خراش کا عمل مسلسل جاری رکھا۔ اتنی طویل مدت تک تصورِ پاکستان میں ترمیم کا یہ عمل جاری رہا کہ ترمیم پسندی ہمارے حکمران طبقے کا مسلک ہو کر رہ گئی۔ اب مطالبہ ترمیم کا نہیں تنسیخ کا ہے۔ آج نوبت یہاں آ پہنچی ہے ہمیں اُس تصور سے دستبردار ہونے کا مشورہ دیا جا رہا ہے جس کے اندر سے پاکستان کا جغرافیائی وجود نمودار ہوا تھا اور جسے ترک کر دینے سے پاکستان کے جغرافیائی وجود کا مٹ کر رہ جانا ایک قدرتی سی بات ہے۔ سٹیفن پی کوہن امریکہ اور پاکستان کے مابین نئے اتحادِ فکر و عمل کے تقاضوں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> "In 2001 the logic of the U.S. Pakistan alliance dictated changes in Pakistan's domestic politics. Even more striking was the pressure put on Pakistan to reduce its support for terrorist groups operating in
>
> Indian-administered Kashmir, though they had not usually targeted Americans. Because of its new relationship with India, the United States pressed Pakistan to end its support for cross border terrorists moving across the Line of Control into Kashmir."[۳]

درج بالا اقتباس میں یہ بات کھل کر کہہ دی گئی ہے کہ امریکہ سے دوستی نبھانے کی خاطر پاکستان کو اب اپنے اندرونی معاملات میں

۲۔ ص ۹۳

۳۔ ص ۹۱

بھی بھارت کی عینک سے دیکھنا اور بھارت کے ذہن سے سوچنا ہوگا۔ امریکہ کے بھارت کے ساتھ نئے تعلقات کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان حریت پسندی کو دہشت گردی قرار دے۔ پاکستان نے مزاج یار کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا اور یوں ہم کل جس سرفروشانہ جدوجہد کو حریت پسندی کا نام دیتے تھے آج وہی جہادِ آزادی ہماری لغت میں دہشت گردی ہو کر رہ گیا ہے۔ بقول اقبال:

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

امریکہ اور بھارت خود تو دہشت گردی کی جڑوں کو مضبوط بنانے اور سرسبز و شاداب رکھنے میں ہمہ تن مصروف ہیں مگر پاکستان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اُن کے اُگائے اور پروان چڑھائے ہوئے ان زہریلے درختوں کے پھل پات کو سمیٹنے کا فریضہ سرانجام دے۔ اُن کے نزدیک دہشت گردی کے خلاف اتحاد کا بس یہی ایک مفہوم ہے۔ اُن کے نزدیک پاکستان کی بقا فقط اُس وقت تک ضروری ہے جب تک وہ امریکہ اور بھارت کے خاکروب کا یہ کردار سرانجام دیتا رہے۔ اگر پاکستان امریکہ اور بھارت کی پھیلائی ہوئی اس گندگی کو صاف کرنے میں ناکام رہا تو پھر اُس کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اسی باب کے آخر میں سٹیفن کوہن اپنے دُکھ کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اِس دُکھ کا علاج بھی تجویز فرماتے ہیں:

> "On the external front, Pakistan continues to be the only South Asian state to openly challenge India's hegemony....but its engagement with terrorist organizations troubles even its supporters, who wonder whether Pakistan is a part of the problem as well as the solution." [۴]

امریکی سیاہ دانش کا دُکھ یہ ہے کہ پاکستان اس حال میں بھی بھارت کی بالادستی کو چیلنج کرنے پر مُصر ہے۔ اِس دُکھ سے نجات کا راستہ خود پاکستان سے ''نجات'' ہے۔ امریکہ اور بھارت کے لیے پاکستان کی بس اتنی سی ضرورت ہے کہ وہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی جن انسانی گروہوں پر دہشت گرد کا سامراجی لیبل لٹکائیں پاکستان اُن کے انسداد میں مشین کی سی سرگرمی دکھائے۔ ہر چند پاکستان اس سکرپٹ کا مکمل مفہوم سمجھے بغیر اس کے حرف و معنی پر عمل پیرا ہے تاہم امریکہ اب ایسے سوالات پر غور کرنے لگا ہے کہ کیا خود پاکستان دہشت گردی کا سرچشمہ (Part of the problem) نہیں ہے؟ اور کیا دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے خود پاکستان کو ختم کر دینا ضروری نہیں ہے؟

ہمارے حکمران طبقے نے تحریکِ آزادیٔ کشمیر کی حد تک جو قلابازی کھائی ہے اُسے نہ امریکہ کافی سمجھتا ہے اور نہ بھارت۔ ہر دو کا تقاضا یہ ہے کہ اب ہم اپنے قومی وجود کو بھی اُن ہی کی نظروں سے دیکھیں، ایک ایسا نیا خطۂ خواب (Ideological territory) ڈھونڈھ نکالیں جس کی پہچان اسلامی کی بجائے ہندوستانی ہو۔ سٹیفن کوہن ہمیں یہ باور کرانے میں کوشاں ہیں:

> "Pakistan was clearly "Indian," in that the strongest supporters of the idea of Pakistan identified themselves as culturally Indian,

---

۴۔ ص ۹۵

although in opposition to Hindu Indians. This Indian dimension of Pakistan's identity has been systematically overlooked by contemporary Pakistani politicians and scholars.[۵]

یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کہ تصورِ پاکستان کے خالق، پاکستان کے بانی اور قیامِ پاکستان کے لیے عوامی جمہوری تحریک کے سربکف مجاہد خود کو کلچرل ہندوستانی سمجھتے تھے۔ درست یہ ہے کہ یہ سب لوگ خود کو ایک جداگانہ اور منفرد ''قومِ رسولِ ہاشمی ﷺ'' قرار دیتے تھے۔ وہ ہندوستانیت کی بجائے اسلامیت پر نازاں تھے۔ وہ ''اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے'' کے مسلک پر کاربند تھے اور ہمیشہ کاربند رہنا چاہتے تھے۔ وہ مشترکہ ہندوستانی تہذیب کی نفی اور جداگانہ مسلمان تہذیب کا اثبات کرتے تھے۔ آج ہمیں سٹیفن کوہن صاحب یہ سمجھانے آئے ہیں کہ اسلامیت کو ترک کر کے ہندوستانیت کی امریکی حمایت یافتہ آئیڈیالوجی کو اپنا لیں۔ درج بالا سطروں میں انہوں نے پاکستان کے سیاستدانوں اور دانشوروں کی اس بات پر سرزنش کی ہے کہ وہ اب تک پاکستان کی ہندوستانیت کو اُجاگر کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ سرکاری مسلم لیگ کے سیاستدانوں اور دانشوروں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنی اِس غفلت کی تلافی کا عمل شروع کر دیا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی دفتر میں ہولی کا تہوار اس شان سے منایا گیا ہے کہ سرکاری مسلم لیگیوں نے خود کو ہولی کے رنگ میں رنگ کے ہندو پروہت سے شاباش پائی۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں کوئی بڑی ہندو یادگار نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے۔ چھوٹے موٹے مندر موجود تھے۔ اس کمی کو پورا کرنے کی خاطر حکمران مسلم لیگ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے کے افسانہ وافسوں (مائتھالوجی) کو زندہ کرنے میں مصروف ہے۔ کبھی وہ لاہور کے شاہی قلعے کے مندر تعمیر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو کبھی چکوال میں کٹاس راج کے کھنڈروں میں ہندوؤں کا ایک مقدس مقام تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ابھی کل ہی بھارتی جنتا پارٹی کے صدر ایڈوانی کو حکمران مسلم لیگ کے سرکردہ رہنما کٹاس راج لے گئے تھے جہاں ایڈوانی جی اور اُن کے اہلِ خاندان نے شِولنگ مندر میں پوجا پاٹ کیا۔ لنگم پوجا کی مذہبی رسوم کی ادائیگی سے پہلے اُنہوں نے کٹاس راج میں مہابھارت کی ہندو مائتھالوجی (افسانہ وافسوں) سے ماخوذ تصورات کو فنِ تعمیر میں ڈھالنے کی خاطر ایک مندر کا سنگِ بنیاد بھی رکھا۔ اگر ہم حکمران مسلم لیگ کی اِس نئی سیاسی اور نظریاتی حکمتِ عملی پر گہرا غور وفکر نہ بھی کریں تب بھی ہمیں اس سوال سے آنکھیں چار کرتے ہی بنے گی کہ سٹیفن کوہن ہمیں جس نئے خطۂ خواب (new political and ideological territory) کی جانب رواں دواں دیکھنا چاہتے ہیں کیا وہ مہابھارت (گریٹر انڈیا) ہے؟

دین یا لادینیت؟

آج کل ہمیں امریکہ کے کلیدی مفادات اور بھارت سے ذہنی اور قلبی ہم آہنگی کی خاطر ایک نئے خطۂ خواب (New ideological territory) کے جادو میں مبتلا کرنے کے لیے نت نئے جتن کیے جا رہے ہیں۔ امریکی سپاہ دانش بڑی سرگرمی کے ساتھ اس نئی نظریاتی سرزمین کو جانے والے راستوں کو سیکولرزم کے پتھروں سے تعمیر کرنے میں مصروف ہے۔ سٹیفن کوہن اپنی کتاب کے باب بعنوان ''سیاسی پاکستان'' کی اختتامی سطروں میں ہمارے سیاستدانوں کو یہ باور کرانے میں کوشاں ہیں کہ پاکستان میں فوجی مداخلت سے آزاد، شفاف سیاسی اور جمہوری عمل اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کسی انقلاب، فوجی شکست یا نظریاتی کایا کلپ (ideological

۵۔ ص ۳۷

(transformation کا سامان نہیں کیا جاتا [۶]۔ خود انھوں نے اس باب میں دانشورانہ پیش رفت شروع کر دی ہے۔ چناں چہ زیرِ نظر کتاب میں بانیانِ پاکستان کو سیکولر ثابت کرنے کے لیے انہوں نے عقل کے گھوڑے خوب دوڑائے ہیں۔

سٹیفن کوہن کے خیال میں قائداعظم کا تصورِ پاکستان ایک سیکولر تصور تھا [۷]، پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم کی تقاریر کی روح سیکولر تھی [۸] اور قراردادِ مقاصد میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اُس میں سیکولر مسلمانوں اور سیکولر اسلام کا ذکر تک نہیں:

> "The resolution defines both the state and the idea of Pakistan. The new country was to be a federal, democratic, and Islamic entity, but there was no mention whatsoever of a secular Muslim life, a secularized Islam, or even the term "secular."[۹]

اطلاعاً عرض ہے کہ قراردادِ مقاصد جس قومی اسمبلی نے منظور کی تھی اُس کے ممبران تحریکِ پاکستان کے قائدین اور عمائدین پر مشتمل تھی۔ قرارداد منظور کرنے والوں کو بخوبی علم تھا کہ پاکستان کا وژن کیا ہے؟ اسلامیانِ ہند نے کس خواب و خیال کو عملی زندگی میں جلوہ گر دیکھنے کی تمنا میں پاکستان قائم کیا ہے؟ اپنے خیالات، تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں ہی انہوں نے پاکستان کو اسلامی جمہوریۂ پاکستان قرار دیا تھا۔ قراردادِ مقاصد میں سیکولر کی اصطلاح کی عدم موجودگی ایک قدرتی امر ہے۔ چوں کہ حقیقی اسلام میں سیکولرزم کا کوئی تصور سرے سے موجود ہی نہیں اس لیے سیکولر نام کی کوئی اصطلاح بھی سرے سے موجود نہیں ہے۔ سیکولرزم کے خوشگوار عناصر یعنی تھیاکریسی (شہنشاہیت + ملائیت) سے انکار، ہر مذہب و ملت کو اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی، وسیع النظری اور انسان دوستی تو اسلام سے مستعار ہیں۔ انسانی تاریخ میں پہلی بار مدینۃ النبی ﷺ میں ان تصورات کا عملی ظہور سامنے آیا تھا۔ اقبال اور قائداعظم اسلام کے مفہوم سے بھی آگاہ تھے اور سیکولرزم کے مفہوم سے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں نہ تو کبھی ''سیکولر مسلم'' کی اصطلاح استعمال کی ہے اور نہ ہی ''سیکولرائیزڈ اسلام'' کی۔ بانیانِ پاکستان مسلمانوں پر ملوکیت اور ملائیت کے جبر و استبداد کے زیرِ سایہ صدیوں تک پنپنے والے مروجہ اسلام کی بجائے اسلام کی حقیقی روح کی بازیافت چاہتے تھے۔ شاعرِ مشرق اور بابائے قوم، ہر دو بانیانِ پاکستان اسلام کی اس حقیقی روح کو از سرِ نو دریافت کر کے اور اسے روحِ عصر سے ہم آہنگ کر کے پاکستان میں ایک حقیقی اسلامی ریاست اور معاشرے کی تشکیل و تعمیر کا فریضہ سرانجام دینا چاہتے تھے۔

یہ محض اتفاق ہرگز نہیں کہ سن تیس میں اقبالؒ کے خطبہ الہ آباد کا آغاز ہی سیکولرزم اور اسلام کی بحث سے ہوتا ہے۔ امریکی سپاہِ دانش نے آج اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سیکولرزم کا جو سوال اُٹھایا ہے اقبال نے تحریکِ پاکستان کی اس بنیادی سیاسی دستاویز میں اُس کا بصیرت افروز جواب دے رکھا ہے۔ خطبۂ الہ آباد کے پہلے پانچ صفحات میں تاریخی اور سیاسی تناظر میں سیکولرزم کے خوب و ناخوب کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس بحث کے آخر میں اقبال درج ذیل آتشیں سوالات اُٹھاتے ہیں:

۶۔ ص ۱۶۰

۷۔ ص ۴۴

۸۔ ص ۴۲

۹۔ ص ۵۷

"What, then, is the problem and its implications? Is religion a private affair? Would you like to see Islam, as a moral and political ideal, meeting the same fate in the world of Islam as Christianity has already met in Europe? Is it possible to retain Islam as an ethical ideal and to reject it as a polity in favour of national politics, in which religious attitude is not permitted to play any part? This question becomes of special importance in India where the Muslims happen to be in a minority?".

سوال یہ ہے کہ کیا دینِ اسلام کو ذاتی زندگی تک محدود کر کے اجتماعی زندگی کے سیاسی اور معاشرتی میدانِ عمل سے بے دخل کیا جا سکتا ہے؟ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت کے مستقبل کے حوالے سے یہ سوال اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ اُوپر کے اقتباس میں اسی سوال کو تاریخی تناظر میں یوں اُٹھایا گیا ہے کہ کیا اسلامیانِ ہند برصغیر میں اسلام کا وہی حشر دیکھنا پسند کریں گے جو اس سے پہلے سیکولر طرزِ حیات کے زیرِ نظر یورپ میں عیسائیت کا ہو چکا ہے؟ یہ سوال اُٹھانے سے پہلے اقبال یہ بتا چکے ہیں کہ یورپ میں سیکولرزم کے زیرِ اثر عیسائیت کو فرد کی ذاتی زندگی تک محدود کر کے اجتماعی سیاسی اور معاشرتی زندگی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آفاقی انسانی تعلیمات کو بے دخل کر دیا گیا تھا۔ عیسائیت کو پاپائیت پہلے ہی ایک خانقاہی نظام کی شکل دے چکی تھی۔ جب مارٹن لوتھر کی احتجاجی تحریک کے زیرِ اثر دین و دُنیا کو دو الگ الگ میدان ہائے عمل میں بانٹ دیا گیا تو دُنیا سلاطین کے گھر کی لونڈی بن کر رہ گئی اور دین رہبانیت کی شکل اختیار کر گیا۔ نتیجہ یہ کہ مسیحی اخلاقیات اجتماعی زندگی سے غائب ہو کر رہ گئیں، اس اخلاقی اور روحانی خلا کو شیطنت نے پُر کیا۔ آج اس سیکولر سیاست کا بھیانک چہرہ جہاں بش بلیئر جارحیت کی شکل میں عیسائیت کے اخلاقی نصب العین سے کاملاً آزاد ہے۔ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں بھی روحانی اصول و اقدار سے آزادی پر نازاں سیکولر سیاست کو مختلف متنوع انداز میں بے نقاب کر رکھا ہے۔ مختصر نظم بعنوان ''دین و سیاست'' ہمیں بڑے سادہ اور سلیس انداز میں سیکولرزم سے متعارف کراتی ہے:

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

اقبالؒ نے خطبۂ الہ آباد کے آغاز میں سیکولرزم کی ماہیت اور اس کے اسباب ونتائج سے جو علمی بحث کی ہے یہ نظم اُس کا مؤثر شاعرانہ بیان ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک اسلام حکمرانوں سے صوفیائے کرام کی تعلیمات کی پیروی کا تقاضا کرتا ہے۔ 'جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی' کا مطلب یہ ہے کہ سیاست اور حکومت پر اسلام کے اخلاقی اور روحانی اصول واقدار کی پیروی لازم ہے۔ دین وسیاست کی جدائی ہوس کی حکمرانی بن کے رہ جاتی ہے۔ جارج ڈبلیو بش چرچ میں تو جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں مگر چرچ سے باہر نکل کر اُن کا سیاسی اور معاشرتی عمل مسیحی اخلاقیات کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ عراق کی Occupation کو Libration کا نام دیتے نہیں تھکتے۔ ایک اور مختصر نظم بعنوان ''لادین سیاست'' کے صرف تین شعر قابلِ غور ہیں:

مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لادیں
کنیز اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر
ہوئی ہے ترکِ کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
متاع غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہراولِ لشکر کلیسیا کے سفیر!

اقبال نے خطبہ الہ آباد میں سیکولرزم اور اسلام کی بحث کے دوران اسلامیانِ ہند سے سوال کیا تھا کہ کیا وہ سیکولر سیاست کو اپنا کر اسلام کا بھی وہی حشر کر دینا چاہتے ہیں جو مغربی دُنیا نے عیسائیت کا کر رکھا ہے؟ اقبال نے خود اس سوال کا جواب یوں دیا تھا کہ اسلامیانِ ہند اسلام کے روحانی سیاسی مسلک پر قائم رہتے ہوئے دُنیا کے سامنے روحانی جمہوریت کی مثال پیش کریں گے۔ وہ اسلام کے دینی مسلک اور سیاسی اور معاشرتی مسلک کی یکجائی پر انتہائی استقلال کے ساتھ قائم رہیں گے۔ تحریکِ پاکستان اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامیانِ ہند نے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان قائم کر کے اقبال کے اس اعتماد کو سچ ثابت کر دکھایا تھا۔

جناب سٹیفن کوہن کی کم نصیبی یہ ہے کہ وہ اقبالؒ کی شاعری سے لطف وبصیرت حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انہوں نے اقبالؒ کے فلسفیانہ خطبات سے بھی کبھی اعتنا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ہماری پہلی قومی اسمبلی کے اراکین کی ذہانت پر

بھی شبہ ہے اور دیانت پر بھی۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ پاکستان ایک مثالی اسلامی جمہوریہ کے قیام کی خاطر وجود میں نہ آیا تھا بلکہ پاکستان کا تصور ہندی مسلمانوں کے لیے ایک ایسی پناہ گاہ کا تصور تھا جہاں وہ ہندوؤں سے الگ زندگی بسر کر سکیں۔ لکھتے ہیں:

"As for Pakistan's identity, the (personally) secular Jinnah and the Muslim League wanted Pakistan to be state for Muslims, rather than an Islamic state....While the Muslim League did promise a state that would be guided by Islam, this was couched in vague and general terms with no specific blueprint for the future. It was enough to break away from the Hindus." [۱۰]

جی نہیں! بانیانِ پاکستان کا جدید اسلامی ریاست کا تصور مبہم نہیں متعین تھا۔ ہاں اس طرح کی مبہم باتیں کہ قائداعظم کی تقاریر کا مزاج سیکولر ہے یا بانیانِ پاکستان کا تصورِ پاکستان سیکولر ہے ایک ایسے ذہن کی پیداوار ہیں جو نہ تو اسلام کو سمجھتا ہے اور نہ ہی سیکولرزم کو۔

ہمارے عسکری وجود پر سنگ باری

کتاب کے دوسرے باب کی اختتامی سطروں میں افواجِ پاکستان میں اتحادِ فکر و عمل کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں پاکستان کے دیگر تمام ریاستی ادارے جمود، زوال اور انتشار کی جان لیوا بیماریوں میں مبتلا ہیں وہاں افواجِ پاکستان کا ادارہ ابھی تک متحد، منظّم اور فعال ہے۔ اِس اعترافِ حقیقت کے بعد انہوں نے ہر مرحلے پر، حیلے بہانے سے ہمارے عسکری وجود پر مسلسل اور متواتر سنگ باری جاری رکھی ہے۔ یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ وہ ہمارے فوجی حکمرانوں کی اُن غلطیوں پر تو تحسین و آفرین کی صدا بلند کرتے ہیں جو ان آمروں نے وقتاً فوقتاً امریکہ کے دباؤ میں آ کر کی ہیں مگر وہ انہی حکمرانوں کے اچھے کاموں کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ کوہن صاحب کو ہمارے قومی حکمرانوں کی دو غلطیاں بے حد سنگین نظر آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ امریکہ کی تمام تر نوازشات کے باوجود افواجِ پاکستان میں اب تک امریکہ کے پرستار جرنیلوں کا کوئی ''کاڈر'' وجود میں نہیں آ سکا۔ دوم یہ کہ پاکستانی فوج کے دل میں جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت کا ولولہ ابھی تک زندہ ہے۔ اُن کے لیے اتنی بات کافی نہیں ہے کہ آج کل افواجِ پاکستان کی قیادت نے آئیڈیالوجی آف پاکستان کا دم بھرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اسے ہماری فوجی قیادت کی عارضی حکمتِ عملی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ گہرے دُکھ کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

"The military training programs familiarized Pakistan army officers with America and American strategic policies and fostered a better understanding of American society, but they did not create a cadre of "pro-American" generals."[۱۱]

سٹیفن کوہن کو خوب معلوم ہے کہ پاکستانی جرنیلوں کو تھوک کے حساب سے خریدنے میں امریکہ کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ آئیڈیالوجی آف پاکستان سے افواجِ پاکستان کی گہری وابستگی ہے۔ چناں چہ اپنی کتاب میں وہ ایوب خان کی اس خوبی کو خرابی کے رنگ میں یوں پیش کرتے ہیں:

۱۰۔ ص ۱۶۱

۱۱۔ ص ۳۰۴

"It was during the Ayub years that Pakistan began the process of official myth-creation in earnest. A large central bureaucracy was created to manufacture an ideology for Pakistan, on that glorified the army as the state's key institution."۱۲

یہ سراسر کذب وافترا ہے۔ پاکستان کی آئیڈیالوجی ایوب خان نے تیار نہیں کرائی۔ ہاں وہ اس حد تک ''قصوروار'' ضرور ہیں کہ اُنہوں نے اِس آئیڈیالوجی کے نفاذ کی خاطر ایک مرکزی افسر شاہی کا نظام قائم کیا تھا۔ پاکستان کی آئیڈیالوجی یعنی دوقومی نظریہ قیام پاکستان سے صدیوں پہلے وجود میں آ گیا تھا۔ اس آئیڈیالوجی (دوقومی نظریہ) ہی کی کوکھ سے پاکستان پیدا ہوا۔ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی قائداعظم اور قائدِ ملت نے اِس آئیڈیالوجی کے خدوخال سنوارنے اور نکھارنے شروع کر دیئے تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے سے نامور مورخین اور سیاسی مدبرین نے مسلم انڈیا کی تاریخ کو تاریخ نویسی کے مسلمہ سائنسی معیاروں کے مطابق لکھنا شروع کر دیا تھا۔ The Muslim Community of the Indo-Pak Sub-continent سے لے کر Ulama in Politics تک بہت سی کتابیں اسلامیانِ ہند کی تہذیبی، سیاسی اور دینی شخصیت کو اُجاگر کر چکی تھیں۔ ایوب خاں نے اقتدار سنبھالتے ہی Bureau of National Reconstruction (قومی تعمیرِ نو بیورو) اور Pakistan Council for National Integration (پاکستان کونسل برائے قومی یکجہتی) کے سے اداروں کی بُنیاد رکھی۔ انہوں نے اِن اداروں میں فوجی جرنیل نہیں بلکہ ماہرینِ تعلیم، ماہرینِ تاریخ وسیاست، ادیب اور دانشور لا بٹھائے تھے۔ اِن اداروں کا ریکارڈ اور اِن سے وابستہ اہلِ علم کی تصنیفات اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ ایوب خان نے اِن اداروں کے ذریعے عسکریت کا بول بالا ہرگز نہیں کیا تھا بلکہ اس کے برعکس پاکستان کی تہذیبی شخصیت کو سائنسی خطوط پر اُستوار کرنے اور دوام بخشنے کا علمی اہتمام کیا تھا۔

ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب The Ideology of Pakistan کا پہلا ایڈیشن ایوب خاں کے حرفِ اوّل کے ساتھ شائع ہوا تھا اور اس کا پورا نام تھا The Ideology of Pakistan and its Implementation۔ ہر چند اس کتاب میں پیش کی گئی پاکستان کی حقیقی آئیڈیالوجی کو ایوب خاں بوجوہ مکمل طور پر نافذ نہ کر پائے تاہم یہ پاکستان کی فوج اور پاکستان کے عوام کی نظریاتی تربیت ہی کا کرشمہ تھا کہ سن پینسٹھ (۶۵) کے معرکۂ ستمبر میں قومی وملی جوش وخروش اور ایثار ووفا کے ایسے ایسے مناظر دیکھنے میں آئے تھے جن سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوگئی تھی۔ اُس لمحے قومی یکجہتی کا یہ عالم تھا کہ حزبِ اختلاف کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کے امیر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان پر حملہ دارالاسلام پر حملہ ہے۔ سائنسی سوشلزم کے علمبردار صفدر میر نے ٹرک پر سوار ہو کر اپنی نظم ''لاہور کو سلام'' پڑھتے ہوئے لوگوں کو دعوت دی تھی: ''علی حیدر، علی حیدر/ چلو واہگہ کی سرحد پر/ علی حیدر، علی حیدر'' اور لوگ بھارتی افواج سے پنجہ آزمائی کی خاطر سرحد کی جانب دوڑنے لگے تھے۔ اسی صفدر میر کی نظم ''سیالکوٹ کی فصیل'' درج ذیل مصرعوں پر ختم ہوتی ہے:

ہر ایک سمت سے صدائیں آتی ہیں

خدائے حق، ہمارا مدعا ہے تیری راہ میں شہید ہوں

پھر جلائے جائیں پھر شہید ہوں

۱۲۔ ص ۶۷

پھر جلائے جائیں پھر شہید ہوں

پھر جلائے جائیں پھر شہید ہوں

ہزاروں سال تک جلائے جائیں پھر شہید ہوں

یہ ایوب خاں کے دور کی نظریاتی تربیت ہی کا فیضان ہے کہ معرکۂ ۶ ستمبر کے دوران اسلام پسندوں اور سائنسی سوشلسٹوں کا رنگ ایک ہو کر رہ گیا تھا اور ہر مکتبۂ فکر کے علمبردار اور پیروکار گھری اور جبلی پاکستانیت کے ساز پر رزمیہ گیت گانے لگے تھے۔

سٹیفن کوہن ہمارے عسکری وجود کے اندر کارفرما جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت سے انتہائی خوفزدہ ہیں۔ اُنہیں اس بات کا گلہ ہے کہ ایوب خاں نے دوقومی نظریہ کی جڑیں اسلامی ہند کی تاریخ میں کیوں تلاش کیں؟ وہ اپنی تقریروں میں دوقومی نظریے کے ثبوت میں البیرونی کی ''کتاب الہند'' میں بیان کی گئی تہذیبی اور معاشرتی صداقتوں کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ افواجِ پاکستان کو پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کا محافظ کیوں قرار دیتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ ایوب خاں اور دوسرے فوجی حکمرانوں نے افواجِ پاکستان کو نظریاتی سرحدوں اور جغرافیائی سرحدوں کے یکجان ہونے کا جو درس دیا تھا اُس نے آج بھی امریکی سپاہِ دانش کی اُس مذموم مہم کی کامیابی کی راہ میں بے پناہ مشکلات حائل کر رکھی ہیں جس کا اوّلیں مقصد پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کا انہدام ہے۔

ہر چند آج کل ہماری فوجی قیادت امریکی خوشنودی کی خاطر نظریاتی سرحدوں کا ذکر نہیں کرتی تاہم امریکی سپاہِ دانش کا سب سے بڑا خوف ہی یہ ہے کہ افواجِ پاکستان کا دِل ابھی تک نظریاتی سرحدوں ہی میں اٹکا ہوا ہے۔ کیوں نہ ہو، پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں تو اُن نظریاتی سرحدوں ہی سے نمودار ہوئی ہیں جو گذشتہ ایک ہزار سال سے ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا کے درمیان قائم و دائم ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہماری نظریاتی سرحدیں پامال کر دی گئیں تو پھر جغرافیائی سرحدیں خود بخود مٹ کر رہ جائیں گی۔ سٹیفن کوہن اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اسی لیے وہ امریکی حکومت کو مختلف پیرایوں میں بار بار یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ:

> "Without question, Pakistan must transform the "Islamic" component of its identity and bring the idea of Pakistan into alignment with twenty first century realities."[۱۳]

یہاں اکیسویں صدی کے ''حقائق'' سے مراد دُنیائے اسلام کے خلاف جاری سامراجی جنگ میں امریکہ، اسرائیل اور بھارت کے ناپاک اتحاد سے پھوٹنے والی حقیقتیں ہیں۔ اُن کا مطالبہ یہ ہے کہ پاکستان اپنی حقیقی نظریاتی بُنیاد کو مٹا کر اُس نئی نظریاتی سرزمین کی جانب فرار کی راہ لے جس کا قدیم نام اکھنڈ بھارت ہے اور جدید نام ساؤتھ ایشین یونین۔ اُن کی تجویز یہ ہے کہ اگر پاکستان یہ مطالبہ ماننے سے مسلسل انکار کرتا چلا جائے تو پھر پاکستان کو دُنیا کے نقشے سے ہی غائب کر دینا چاہیے۔ پاکستان کے حکمران طبقے (core elite) کی آئیڈیالوجی آف پاکستان سے بیزاری سے سٹیفن کوہن کی بہت سی خوش گمانیاں وابستہ ہیں۔ جانے اُنہیں یہ کس نے بتایا ہے کہ:

> "The confidence of core elites in the future of Pakistan is reduced![۱۴]

چلیے، ہم اُن کا یہ مفروضہ بلاچوں و چراں مان لیتے ہیں اور اپنے عسکری وجود کی پاکستانیت اور اسلامیت سے اُن کے خوف کی بات

۱۳۔ ص ۲۹۹

چھیڑتے ہیں۔ موصوف امریکی حکومت کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ پاکستان کو بھارت کی غلامی پر آمادہ کرنے کے لیے گُڑ کھلانے کا گُر بھی آزمانا چاہیے اور زہر کھلانے کی متبادل حکمتِ عملی بھی بروئے کار لانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ چناں چہ اوّل یہ کہ:

"An optimal American policy would be to support the present regime, whether or not Musharraf heads it, but press Pakistan very hard for the political, economic and even ideological changes discussed above, including a new approach to India."

اوپر کی سطروں میں جن نظریاتی قلابازیوں کو پاکستان کی بقا سے لازم وملزوم ٹھہرایا گیا ہے اُنھیں افواجِ پاکستان کے لیے قابلِ قبول بنانے کی حکمتِ عملی بھی پیش کی گئی ہے۔ صفحہ ۲۶۹ پر بدلی ہوئی صورت حال میں آرمی کے نئے کردار کو بھی متعین کیا گیا ہے۔ افواجِ پاکستان میں نظریاتی فراموش گاری کے مقصد کے حصول کے لیے کوہن صاحب کا نسخہ یہ ہے کہ سرحدوں سے افواجِ پاکستان کی توجہ ہٹا کر اُنہیں بتدریج اندرونِ ملک انتظامی ذمہ داریوں میں اُلجھا دیا جائے۔ اسی طرح افواجِ پاکستان کے لیے اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام قیامِ امن کی ذمہ داریوں کو ملکی سرحدوں کی حفاظت کے فریضہ سے زیادہ پرکشش بنا دیا جائے۔ اُنہیں امید ہے کہ یہ پالیسی بالآخر افواجِ پاکستان کے خواب وخیال کو بدل کر رکھ دے گی اور یوں دارالاسلام کی بقا کی خاطر جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت کے خواب وخیال ہر شہر کی ہر ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی میں ایک نئے کارنر پلاٹ کے حصول کے سے خواب وخیال بن کر رہ جائیں گے۔

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سٹیفن کوہن کو اس پالیسی کی ناکامی کے اندیشوں نے بھی گھیر رکھا ہے کہ وہ بجا طور پر اس فکر میں مبتلا ہیں کہ آزمائش کی گھڑی آنے پر ہمارے عسکری وجود کے دل میں پھر سے وہی حقیقی خواب وخیال جاگ اُٹھیں گے جو جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت سے آن کی آن میں سرسبز وشاداب ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ احساس کوہن صاحب کو مسلسل بے چین رکھتا ہے کہ جہاں تک بھارت کی غلامی کا تعلق ہے ہمارا عسکری وجود امریکی دباؤ کو ہرگز برداشت نہ کرے گا۔ شاید اسی لیے آج کل وہ اس وجود کی تباہی کے خواب دیکھنے میں مصروف ہیں۔ چنانچہ موصوف زیرِ نظر کتاب میں متعدد مقامات پر پاکستان کی فوجی شکست سے پاکستان کے عسکری وجود کی تباہی اور قومی وجود کی رُسوائی کا سامان کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی حکومت کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اگر گُڑ کھلانے سے کام نہ نکلے تو پھر پاکستان کو زہر دے کر مار ڈالا جائے کیونکہ بھارت اور امریکہ کا مشترکہ مفاد اسی مہم جوئی میں مضمر ہے:

...more drastic options, such as allying with India to contain a Pakistan that seems to be unable or unwilling to reform itself."[۱۵]

اور

"Other scenarious can also be envisioned: an Indian decision to achieve the military defeat of Pakistan might tempt an American government to side with India to keep the war short."[۱۶]

۱۴۔ ص ۲۹۵
۱۵۔ ص ۳۲۵
۱۶۔ ص ۳۰۸

یہ وحشیانہ استدلال ۹/۱۱ سے شروع ہونے والے نئے دورِ وحشت و بربریت کا ناگزیر شاخسانہ ہے۔ یا تو آپ اپنی اسلامی شناخت سے رضا کارانہ طور پر دستبردار ہو جائیں اور یا پھر اپنی مکمل تباہی کے لیے تیار ہو جائیں۔ امریکی سپاہِ دانش آپ کو صرف دو Options ہی دے سکتی ہے۔ یہاں یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ سٹیفن کوہن صاحب ہمیں جن دو راہوں میں سے ایک راہِ عمل کے انتخاب کا حق دے رہے ہیں وہ دونوں راہیں پاکستان کے جداگانہ قومی وجود کی فنا کی راہیں ہیں۔ پہلی راہ ''پُرامن'' ہے اور دوسری بھارت اور امریکہ کی مشترکہ فوجی جارحیت سے تباہی کی راہ ہے۔ دونوں راہیں اکھنڈ بھارت کی نام نہاد ''نئی نظریاتی سرزمین'' کو جاتی ہیں۔ سٹیفن کوہن پہلی راہ کو ترجیح دیتے ہوئے ہمیں یہ سناؤنی سناتے ہیں کہ ہمارا core elite پاکستان کی پُرامن نظریاتی کایا کلپ کی راہ پر گامزن ہے۔

جہاں ہمیں کوہن صاحب کے اِس قول کی صداقت پر شبہ ہے وہاں ہم پاکستان کے غریب اور غیور عوام کی اسلامیت اور پاکستانیت پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے عسکری وجود کی قوت کا حقیقی سرچشمہ ان ہی غیرتمند کسانوں اور مزدوروں کے بیٹوں پر مشتمل ہے۔ امریکی سپاہِ دانش بھی اِس حقیقت سے آگاہ ہے اور اسی لیے ہمارے عسکری وجود پر سنگ باری میں مصروف ہے۔ ہمیں امریکی سپاہِ دانش کے پاکستانی پیادوں (Recruits) سے گلہ ضرور ہے۔ اُن کی سنگ زنی سے ہمارے دل پر چوٹ پڑتی ہے اور ہمیں بے ساختہ فیض احمد فیض یاد آتے ہیں۔ راولپنڈی سازش کیس سے لے کر اپنی آخری جلاوطنی تک وہ ہمیشہ فوجی حکومتوں کے ظلم و ستم کا شکار رہے مگر آفرین ہے کہ انھوں نے ہمارے عسکری وجود کی اہمیت کو ہمیشہ سمجھا اور اس کا احترام ملحوظِ خاطر رکھا۔ جب بھی یار لوگ چند فوجی آمروں کی بجائے افواجِ پاکستان کے ادارے کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کرتے تو وہ بڑی دردمندی اور گہری دل سوزی کے ساتھ اُنہیں سمجھایا کرتے تھے:

جس دھجی کو گلیوں میں لیے پھرتے ہیں طِفلاں
وہ میرا گریباں ہے کہ لشکر کا علم ہے

اگر لشکر کا علم سلامت نہیں تو پھر میرا گریباں کہاں سلامت ہے؟ یہ پرچم تو اسی لیے سربلند ہے کہ میرا، آپ کا، ہم سب کا گریباں اُس برہمنیت کے دستِ ستم سے محفوظ رہے جو ہمیں اچھوت سے بھی نیچے ملیچھ (ناپاک) کے گہرے اور تاریک غار میں دھکیلنے کو بے تاب ہے۔

آستیں میں دِشنہ پنہاں، ہاتھ میں خنجر کھلا:

بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کی اکثریت نے متحدہ ہندوستانی قومیت کے تصور کو ٹھکرا کر جداگانہ مسلمان قومیت کے تصور کو اپنا لیا تھا۔ برصغیر میں جداگانہ مسلمان قومیت ہی کی بنیاد پر جداگانہ مسلمان مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ برطانوی حکومت اور انڈین نیشنل کانگرس کی سرتوڑ مخالفت کے باوجود اسلامیانِ ہند کی بھاری اکثریت نے جداگانہ مسلمان قومیت ہی کی نظریاتی اساس پر ایک عوامی جمہوری تحریک کے ذریعے پاکستان قائم کر لیا تھا۔ قدرتی طور پر قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی جداگانہ مسلمان قومیت کا یہی نظریہ پاکستانی قومیت کی اساس بن گیا۔ آج پاکستانی قومیت کی یہی بنیاد اور پاکستان کی یہی اسلامی شناخت ہدفِ ملامت ہے۔ امریکی سپاہِ دانش مختلف اور متنوع انداز میں اس جھوٹ کو سچ ثابت کر دکھانے میں منہمک ہے کہ پاکستان کے تمام تر مصائب و مشکلات کا سرچشمہ پاکستان کی یہی اسلامی نظریاتی شناخت ہے۔ سٹیفن کوہن کی کتاب ''تصورِ پاکستان'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ ایک کتاب نہیں بلکہ ایک رپورٹ ہے اور رپوٹ بھی ایسی جو بقول مولانا حالی:

کچھ کذب و افترا ہے، کچھ کذبِ حق نما ہے
یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

گزشتہ پانچ سال سے امریکی سپاہِ دانش سے سستے داموں تیار کرائی گئی اس قبیل کی رپورٹیں مسلسل ومتواتر گردش میں ہیں۔ آج سے پانچ برس پیشتر ''یو۔ ایس ایس کمیشن آن نیشنل سیکورٹی اِن دی ٹونٹی فَسٹ سینچری'' میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ اکیسویں صدی کے پہلے پچیس سال کے دوران پاکستان ٹوٹ جائے گا۔ اس رپورٹ پر وائٹ ہاؤس نے بھی اپنی مہر تصدیق ثبت کر رکھی ہے۔ اس رپورٹ میں پاکستان کی تباہی کے متعدد امکانات درج ہیں۔ ان میں سے ایک امکان یہ ہے کہ پاکستان اقتصادی بدحالی اور سیاسی بےعملی کے باعث اندرونی عدم استحکام کا شکار ہو کر ٹوٹ جائے گا اور الگ الگ بلوچ، پشتون اور مہاجر ریاستیں وجود میں آ جائیں گی۔ سٹیفن کوہن کی زیرِ نظر کتاب میں ''علاقہ پرستی اور علیحدگی پسندی'' کے عنوان سے جو باب شامل ہے اُس میں بھی پاکستان کی ممکنہ تباہی کے موضوع پر امریکی سپاہِ دانش کی ان تمناؤں کی صورت گری موجود ہے۔ بھارت نواز لبّی کے خواب میں یہ چھیچھڑے بیشک ہمارے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہیں۔ ان پر سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنا چاہیے مگر ایسا کرتے وقت ہمیں اس حقیقت کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ پاکستان کی تباہی کے یہ منظر نامے امکانات کم ہیں اور عزائم زیادہ۔ اگر ہم اپنے ''دوست'' کے ان عزائم میں پوشیدہ ''دشمنی'' کے اسرار ورموز سے بروقت خبردار ہو جائیں تو کچھ تعجب نہیں کہ یہ امکانات معدوم ہو کر رہ جائیں۔ اس باب میں ہمارا طرزِ فکر وعمل مرزا غالب کا سا ہونا چاہیے:

گرچہ ہوں دیوانہ، پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دُشنہ پنہاں، ہاتھ میں خنجر کھلا

سٹیفن کوہن کے نزدیک پاکستان کی اسلامی شناخت اسرائیل، امریکہ اور بھارت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ چنانچہ وہ پاکستان کے ہر اُس حکمران کے خلاف ہیں جو پاکستان کی اسلامی نظریاتی شناخت کا دم بھرتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو شہید کا مذہبی انتہا پسندی سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ تو اعتدال پسند اور روشن خیال مسلمان تھے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ پاکستانی قوم پرستی کے مسلک پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر اپنے دورِ اقتدار میں پاکستان کی اسلامی نظریاتی شناخت کو برقرار رکھنے اور نمایاں کرنے میں بھی کوشاں رہے اور دُنیائے اسلام کے ساتھ پاکستان کے اٹوٹ روحانی رشتوں کو بھی سرسبز وشاداب کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ کوہن صاحب بھٹو شہید کا یہ قصور بھلا کیوں معاف کرتے؟ دیکھیے ''بھٹو شہید کے اسلامک پاکستان'' کا ذکر کتنی تحقیر کے ساتھ کرتے ہیں:

> "Most striking, though, was that Bhutto began turning Pakistan's back on South Asia, looking to the Middle East for aid, ideology, and strategic cooperation."[۱۷]

امریکی سپاہِ دانش کے نزدیک بھارت کی طرف سے رُخ موڑ کر پاکستان کے مغرب میں پھیلی ہوئی دُنیائے اسلام کی جانب پیش قدمی ذوالفقار علی بھٹو شہید کی بہت بڑی غلطی تھی۔ ہماری قومی تاریخ میں سب سے پہلے یہ ''غلطی'' پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے کی تھی۔ شاید اسی کی پاداش میں اُنھیں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا تھا۔ ایک مدت بعد اسی ''غلطی'' پر پھانسی کا پھندا بھٹو شہید کا مقدر ہو کر رہ گیا

۱۷۔ ص ۱۷۰

تھا۔ ہر دو عوامی رہنما پاکستان کو بھارت کی ذیلی ریاست کا مقام دینے پر ہرگز تیار نہ تھے۔ اس کے برعکس وہ دُنیائے اسلام کے ساتھ روحانی یگانگت کو پاکستانی قومیت کا جزوِ اعظم سمجھتے تھے اور اس روحانی یگانگت کو معاشی تعاون و اشتراک اور سیاسی یکجہتی کے قابلِ عمل پروگراموں میں ڈھالتے چلے جانے کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا تھے۔ یہ حکمت اور یہ حکمتِ عملی برصغیر میں امریکہ کے سامراجی مقاصد سے متصادم چلی آ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی سیاہِ دانش آج ہمیں ہندوستانیت کا مسلک اپنا کر پاکستانی قومیت کی اسلامی سرشت سے روگردانی پر مجبور کر رہی ہے:

> "Pakistan needs a new organizing idea that will provide more space for subnationalism and an identity defined in terms other than fear![۱۸]

کوہن صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ ہم روحانی یگانگت کی پائیدار بنیاد کو چھوڑ کر رنگ و نسل کی ناپائیدار بنیاد پر پاکستانی قومیت کی نئے سرے سے تعمیر کریں۔ اُن کے خیال میں پاکستان کی سالمیت اور پاکستانیوں کے اتحاد کا یہ نیا تصور (new organizing idea) بھارت اور امریکہ ہر دو کے لیے پسندیدہ ٹھہرے گا۔ پاکستان کے حقیقی تصور کو ترک کر دینے اور اس نئے تصورِ پاکستان کو اختیار کرنے کی فضا تیار کرنے کے لیے وہ پاکستان میں علاقہ پرستی اور علیحدگی پسندی کی تحریکوں کا ذکر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں علاقہ پرستی اور علیحدگی پسندی کی کوئی تحریک موجود ہی نہیں۔ صوبوں کو مرکز سے جائز شکایات ہیں۔ صوبائی خود اختیاری کی حدود کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے مطالبات زور پکڑتے چلے جا رہے ہیں۔ ان برحق مطالبات پر پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ کے باہر حکومت اور حزبِ اختلاف کے درمیان گفت و شنید جاری ہے۔ ان میں سے کوئی بھی گروہ پاکستان سے علیحدگی کی تمنا نہیں رکھتا۔ بھارت میں جس طرح علیحدگی کی متعدد تحریکیں جداگانہ ممالک کے قیام کی خاطر سرگرمِ عمل ہیں پاکستان میں اُس طرح کی کوئی تحریک موجود نہیں۔ اس کا اعتراف سٹیفن کوہن صاحب کو بھی ہے۔ چنانچہ بالآخر انہوں نے پاکستان کے دیگر صوبوں سے مایوس ہو کر پنجاب کو اپنی تخریبی تمناؤں کا مرکز و محور بنا لیا ہے۔

امریکی سیاہِ دانش امریکہ اور بھارت کے مشترکہ ''کلیدی مفادات'' کے تحفظ کی خاطر پاکستان کو بھارت کی ایک ذیلی ریاست کا مقام دینا چاہتی ہے۔ پاکستان کے عوام اور پاکستان کی فوج یہ مقام قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ چنانچہ کوہن صاحب کی زیرِ نظر کتاب میں پاکستان اور افواجِ پاکستان کی تقسیم کے خوابوں کو روبعمل لانے کی خاطر متعدد خاکے پیش کیے ہیں۔ اگر متحدہ پاکستان بھارت کی بالادستی قبول کرنے سے انکاری ہے تو پھر پاکستان کو علاقہ پرستی کی بنیاد پر متعدد چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستیں بھارت کی بالادستی قبول کرنے پر مجبور کر دی جائیں گی۔ پاکستان کی یہ مجوزہ تقسیم دیوانے کا خواب ہے۔ اس لیے کہ پاکستان کا کوئی بھی صوبہ پاکستان سے علیحدگی نہیں چاہتا بلکہ پاکستان کے اندر رہتے ہوئے صوبائی خود اختیاری کے لیے جہد آزما ہے۔ عوام کی یہ پاکستانیت امریکی سیاہِ دانش کی راہ کی سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ چنانچہ کوہن صاحب کی عیّار عقل انہیں افواجِ پاکستان کی شیعہ سنی کی فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم سے پاکستان کی تقسیم کی راہ سجھاتی ہے۔ اس راہ پر چند قدم چلتے ہیں تو کھلتا ہے کہ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

پاکستان کو توڑنے کے ان منصوبوں کے بے اثر ہونے کا احساس اُنھیں پھر سے پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ پاکستانی قومیت کی اسلامی سرشت کو بدل کر رکھ دینے کا خیال آتا ہے۔ پاکستان کے لیے نئے امریکی نصابِ تعلیم کی بحث چھڑتی ہے مگر یہ کام

۱۷۔ ص ۱۷۰

۱۸۔ ص ۲۲۶

آن کی آن میں سرانجام نہیں پا سکتا۔ نہ ہی پاکستان کو مغربی بنگلہ دیش، پنجابستان، نیا پنجاب اور آزاد پنجاب کے سے اسمائے تحقیر سے موسوم کرنے سے پاکستانیوں کی اسلامیت کی نفی ممکن ہے۔ مایوسی کے اس عالم میں سٹیفن کوہن سوچتے ہیں کہ فوری نتائج کے حصول کی خاطر پاکستانی قیادت کو ترغیب دی جائے کہ وہ رُوس کی مثال کو اپنا لے۔ اُن کی تجویز یہ ہے کہ جس طرح سوویت یونین کمیونسٹ آئیڈیالوجی اور سوویت یونین کی غیر روسی ریاستوں سے دستبردار ہو کر پھر سے روس بن گیا ہے۔ اسی مثال کو اپناتے ہوئے پاکستان کا بھلا اس میں ہے کہ وہ اپنی اسلامی آئیڈیالوجی کو ترک کر کے پاکستان کی بجائے پنجابستان ہو جائے:

> "Soviet history suggests a third route to a reorganized Pakistan. The Soviet Union broke largely because its dominant republic (Russia) calculated that it would do better without some of the non-European republics, and that Russia's future lay in becoming a modern European state. Could Pakistan evolve into a Punjabistan a nuclear-armed, smaller, more efficient and generally secure state?[۱۹]

کوہن صاحب بھی کیا سادہ ہیں؟ کس اعتماد کے ساتھ ہمیں سمجھانے آئے ہیں کہ ہمارا فائدہ اس میں ہے کہ تاریخ اسلام کی بجائے روسی تاریخ کو اپنا سرچشمۂ فیضان بنالیں؟ اُن کا خیال ہے کہ ترکِ اسلام کی یہ راہ اپنا کر پاکستان کی مجوزہ جانشیں ریاست پنجابستان پاکستان سے زیادہ خوش حال، طاقتور، ترقی یافتہ اور محفوظ ریاست بن کر اُبھرے گی۔ اُن کے اس استدلال نے اس حقیقت پر ایک اور مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے کہ سندھی، بلوچی اور پٹھان اسلامیت اور پاکستانیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہیں۔ اُنہیں امریکی کھلونے دے کر پنجابیوں کی طرح نہیں بہلایا جا سکتا۔ چنانچہ بھارتی امریکی لابی کی تمام تر توجہ پنجابستان پر ہے۔ ننکانہ صاحب کو خالصہ وَے ٹی گن اور لاہور کو لاہُو کے مندروں کا شہر بنانے کی خاطر رات دن ایک کر دیئے گئے ہیں۔ فکری اور نظریاتی محاذ پر اسلام اور سیکولرزم.....دین اور لادینیت کی بحث کا بازار گرم کر دیا گیا ہے مگر کیا غم کہ اقبال جاگ رہا ہے:

دُنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو پکارا

اسلامی ریاست کے تصور کے خلاف جنگ:

یہ امر ہمارے لیے انتہائی خوش آئند ہے کہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اور ذوالفقار علی بھٹو شہید، ہر دو اس بات پر متفق ہیں کہ پاکستان ایک حقیقی اسلامی ریاست کے قیام اور ایک مثالی اسلامی معاشرے کی نشوونما کی خاطر حاصل کیا گیا تھا۔ یہ قومی اتفاق رائے اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ پاکستان میں دائیں اور بائیں، یمین اور یسار، رائٹ اور لیفٹ کے نام سے پہچانی جانے والی تمام عوامی قوتیں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ مانتی ہیں۔ ان مقبول عوام سیاسی قوتوں کے درمیان مثالی اسلامی ریاست کے خدوخال پر یا معاشرے میں اسلام کی ترویج کے باب میں ترجیحات پر اختلافات ضرور موجود ہیں مگر یہ اختلافات اپنی اپنی جداگانہ حکمت عملی سے پھوٹے ہیں نہ کہ اصل حقیقت یعنی پاکستان کی اسلامی ریاستی شناخت سے۔ ذوالفقار علی بھٹو شہید نے اپنی آخری علمی، سیاسی اور تاریخی دستاویز "If I am assasinated" (اگر مجھے قتل کر دیا گیا)

۱۹۔ ص ۲۹۲

میں لکھا ہے:

> "Pakistan has been created in the name of Islam by the people...The people of Pakistan and their chosen leaders are Muslims irrespective of what the stooges of the regime might like to say. The true Muslim is not the one who submits to the coup d'etat, but he is the one who fight like a mujahid for the political and economic rights of the oppressed masses." [۲۰]

یہاں بھٹو شہید ضیاء الحق کے حلقہ بگوش اسلام پسندوں کے طرز فکر و عمل پر ان مجاہدین آزادی و مساوات کے طرز فکر و عمل کو ترجیح دیتے ہیں جو ضیاء آمریت کے خلاف سر بکف تھے۔ طرز فکر و عمل کے اس اختلاف کے باوجود بھٹو شہید پاکستانی ریاست اور پاکستانی معاشرے کی اسلامی اساس کا دوٹوک اعتراف فرماتے ہیں۔ پھانسی کی کوٹھڑی میں بیٹھے ہوئے بھی انھیں اپنی محبوب اسلامی ریاست کے مستقبل کے اندیشہ ہائے دور و دراز نے گھیر رکھا ہے۔ اس کال کوٹھڑی میں ان کی روشن فکر نے ایک الاؤ سا لگا رکھا ہے۔ اس الاؤ کی روشنی میں وہ مسلمانوں کے ماضی کی روشنی میں پاکستان کی اسلامی ریاست کی بقا کی فکر میں غلطاں ہیں۔ برعظیم میں اور سپین میں مسلمان فاتحین ایک ہی وقت میں وارد ہوئے تھے۔ قید خانے میں محبوس بھٹو شہید کو یہ اندیشے پریشان کر رہے تھے کہ کہیں سپین کی مانند برصغیر سے بھی مسلمان مٹ کر نہ رہ جائیں:

> "Earlier Islam was uprooted from Spain not due to Ferdinand and Isabella, as Western historians try to establish. Islam saw its Granada due to the treachery and envy of Muslim Damascus towards Muslim Cordova. Spain presents two warnings to Pakistan---one is of a deadly confrontation between the People and the Army, and the other is the danger of the liquidation of this Islamic State...Basque is the Baluchistan of Spain, and Andalucia is the Sind of Spain".[۲۱]

یہاں بھٹو شہید کے اندیشۂ دانا نے انھیں جن دو پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے ان میں سے ایک فوج اور عوام کے درمیان خونی تصادم کا خطرہ ہے اور دوسری یہ کہ پاکستان کی اسلامی ریاست کہیں سرے سے مٹ کر ہی نہ رہ جائے؟ ان کی نظر میں (خدانخواستہ) پاکستان کا مٹنا صرف پاکستان ہی کا مٹنا نہیں بلکہ پورے برصغیر سے مسلمانوں کے مٹ جانے کے مترادف ہے۔ یہ سانحہ عظیم برصغیر میں سپین کی داستان کے دہرائے جانے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ بھٹو شہید کے خیال میں پاکستان کی فنا فقط پاکستان کے جغرافیائی وجود کی فنا ہی نہیں بلکہ ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کے امکان کا ختم ہو کر رہ جانا ہے۔ اس قیامت خیز تباہی سے بچنے کے لیے انھوں نے ہمیں بلوچستان اور سندھ کی صورت حال کی جانب ہر آن نگران رہنے کی تلقین کی ہے۔

آج جب میں بلوچ لبریشن آرمی اور سندھ لبریشن آرمی کی سرگرمیوں کی خبریں پڑھتا ہوں اور نام نہاد قوم پرست بلوچ رہنماؤں کے

۲۰۔ ص ۱۲۰

۲۱۔ ص ۱۴۲

حکومت پاکستان کے نمائندوں سے مذاکرات سے انکار مگر امریکی سفیر کے بلاوے پر لبیک (ڈان ۱۵۔فروری ۲۰۰۵ء) پر غور کرتا ہوں تو مجھے بے اختیار بھٹو شہید یاد آتے ہیں جنھوں نے ہمیں پھانسی کی کوٹھڑی سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو درپیش سنگین خطرات کی جانب متوجہ کیا تھا۔ جب میں امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ہنری کسنجر کے تازہ ترین مضامین کو ذہن میں لاتا ہوں اور صدر بش کو ان کی تلقینِ مسلسل کا تجزیہ کرتا ہوں تو یہ خطرات سنگین تر نظر آنے لگتے ہیں۔ جارج ڈبلیو بش کے دوبارہ صدر منتخب ہونے پر امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے حال ہی میں صدر بش کو درپیش سنگین آزمائشوں کے موضوع پر متعدد مضامین قلمبند کیے ہیں۔ اپنے مضمون Challenges ahead for Bush میں[۲۲] انھوں نے نئے عالمی نظام کی تعمیر کے سلسلے میں صدر بش کی صورت حال کو صدر ٹرومین کی صورت حال سے بھی زیادہ پیچیدہ اور سنگین قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں صدر بش سے پہلے امریکہ کے کسی بھی صدر کو اتنی بڑی آزمائش کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

دوسری عالمی جنگ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی صدر ٹرومین کو سوویت چیلنج کا سامنا کرنا پڑا مگر صدر بش کو درپیش چیلنج صدر ٹرومین کے چیلنج سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ہنری کسنجر کے بقول سوویت یونین ایک ٹھوس اور جغرافیائی طور پر متعین چیلنج تھا۔ اس سے نبٹنا نسبتاً آسان تھا۔ سوویت یونین کی تباہی اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد نئے عالمی نظام کی تشکیل و تعمیر میں حائل مشکلات سنگین تر ہیں۔ ہنری کسنجر کا کہنا ہے کہ سوویت یونین کے برعکس آج امریکہ کو ایک مجرد تصور اور متحرک دشمن کا سامنا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہنری کسنجر نے دشمن کے خدوخال پر یوں روشنی ڈالی ہے:

> "The basic adversary is the radical, fundamentalist, militant fringe of Islam, which aims to overthrow both moderate Islamic societies and all others it perceives and standing in the way of restoring an Islamic caliphate."

درج بالا سطور میں اسلام کے ساتھ جن اصطلاحات کو منسلک کر دیا گیا ہے وہ سب کی سب عیسائیت کی مذہبی تاریخ سے برآمد ہوئی ہیں۔ ان اصطلاحات کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مسلمانوں کی دینی تاریخ سے ملائیت اور ملوکیت کی اصطلاحات ماخوذ ہیں۔ علامہ اقبال اور قائداعظم نے بڑی جرأت کے ساتھ ملوکیت اور ملائیت کی بار بار کھل کر مذمت کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اُن کے تصور کو اسلامی ریاست میں ملوکانہ اسلام یا ملایانہ اسلام کی بجائے حقیقی اسلام کی از سرِ نو بازیافت اور ترویج کا اہتمام کیا جائے گا۔ اسلامی خلافت کے قیام کا موہوم خطرہ بھی مغربی حکمرانوں کی صلیبی ذہنیت کے پیش نظر کھڑا کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہنری کسنجر اسلامی جمہوری ریاست کے مثالی تصور کے خلاف جنگ آزما ہیں۔ چنانچہ وہ صدر بش کو اس تصور ہی کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا فریضہ یاد دلاتے رہتے ہیں اور بجا طور پر انھیں سمجھاتے رہتے ہیں کہ سوویت یونین ایک جغرافیائی حقیقت تھی جس کے خلاف جنگ آسان تھی۔ آج انہیں اسلام کی حقیقی روح کی بیداری کے عمل کو روکنے کی جنگ درپیش ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اسلام کے حقیقی تصور کی کارفرمائی کے امکان سے خوف زدہ ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ آج دنیائے اسلام میں کہیں بھی حقیقی اسلامی جمہوری ریاست موجود نہیں ہے مگر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کا تصور زندہ اور موجود ہے۔ اس تصور کا حقیقت بن جانا دائرۂ امکان میں ہے۔ اس امکان کو معدوم کر کے رکھ دینا ہی تیسری اور جاری صلیبی جنگ کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں ہنری کسنجر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مسلمان ممالک کے حالات جمہوریت کے لیے سازگار نہیں ہیں۔

۲۲۔ مطبوعہ: DAWN، ۸/نومبر ۲۰۰۴ء

مسلمان ممالک جمہوریت کے قیام کی پیشگی شرائط پوری نہیں کرتے۔ یہاں جمہوری نظام کے قیام کی راہیں ہموار کرنے کی بجائے ان ممالک پر مسلط سلاطین، شیوخ اور شخصی حکمرانوں ہی سے کام لیتے رہنا چاہیے۔ امریکہ ملوکیت اور ملائیت کا سب سے بڑا سرپرست ہے۔ ملوکیت اور ملائیت کی اس دستگیری اور سرپرستی کا سب سے بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ اسلام کی حقیقی حرکی روح کو بیدار اور سرگرمِ کار ہونے سے روکا جائے۔ مغربی دُنیا کو سب کچھ گوارا ہے مگر کسی خطۂ زمین پر حقیقی اسلامی ریاست کا قیام گوارا نہیں۔ آج دُنیا میں جتنے بھی مسلمان ممالک ہیں اُن میں سے ہر ایک میں اس اسلامی ریاست کے قیام کا امکان موجود ہے۔ چنانچہ مغربی دُنیا مسلمان ممالک پر ملوکیت اور ملائیت کی حکمرانی کو دوام بخشنے میں بھی کوشاں ہیں اور ان مسلمان ممالک کو توڑنے پھوڑنے میں بھی مصروف ہیں۔ انڈونیشیا کو توڑ کر اُس کے اندر سے مشرقی تیمور کی عیسائی ریاست برآمد کی گئی۔ عراق پر سوشلسٹ بعث پارٹی کی حکومت تھی۔ سوویت یونین کی تباہی کے بعد اس بات کا قوی امکان پیدا ہو گیا تھا کہ عراق میں سوشلزم کے لاسے اسلام کے الا اللہ کی جانب پیش رفت شروع ہو جائے۔ اس امکان کو ختم کرنے کے لیے امریکہ اور برطانیہ نے عراق پر بلاجواز حملہ کیا اور پھر مقبوضہ عراق میں ایک اسلامی ریاست کی بجائے شیعہ ریاست، سنی ریاست اور کرد ریاست کے نام سے باہم برسرپیکار تین چھوٹی چھوٹی غیر اسلامی ریاستوں کے قیام کی راہیں ہموار کر دی گئیں۔ ہنری کسنجر نے اپنے ایک اور مضمون Diplomacy & Iran's nukes مطبوعہ ۲۳ میں صدر بش کو مشورہ دیا ہے کہ اسلامی جمہوری حکومت کا تختہ اُلٹ کر ایران میں اپنی آلۂ کار حکومت قائم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ہنری کسنجر نے امریکی چنگیزیت کی اس شیطانی مہم کا اگلا پڑاؤ پاکستان ٹھہرایا ہے۔ کہتے ہیں:

> "Finally, the experience with the 'private' proliferation network of friendly Pakistan with North Korea, Libya and Iran demonstrates the vast consequences to the international order of the spread of nuclear weapons even when the proliferating country does not meet the formal criteria of rogue state."

صدر جارج ڈبلیو بش کے نام اپنے اس ہدایت نامہ میں ہنری کسنجر نے پاکستان کو ایک غنڈہ ریاست قرار دیا ہے۔ اُن کے خیال میں ڈپلومیسی کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت پاکستان کو غنڈہ ریاست نہ کہا جائے مگر غنڈہ ریاست سمجھا ضرور جائے۔ کام نکل جانے کے بعد پاکستان کو غنڈہ ریاست کہنے اور پاکستان سے غنڈہ ریاست کا سا سلوک کرنے کا وقت آئے گا۔ جاننا چاہیے کہ یہ لوگ اُس وقت کے انتظار میں بیکار بیٹھنے کے قائل نہیں۔ اس عبوری دور میں بھی وہ بانداز دگر اپنے مقاصد کے حصول میں سرگرمِ عمل ہیں۔ مغربی دُنیا کے تھنک ٹینکس اسلامی ریاست کے تصور کے خلاف اپنی نظریاتی جنگ کو پاکستان کے اندر لے آئے ہیں۔ چنانچہ آج ہمارے ہاں اس طرح کے سوالات پر ہنگامۂ بحث گرم ہے کہ پاکستان ٹھیک بنا تھا یا غلط؟ پاکستان کے قیام سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا ہے یا نقصان؟ بانیانِ پاکستان اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے یا سیکولر ریاست؟..... مانی جانی ہوئی حقیقتوں کو معرضِ شک میں ڈال دینے یا سرے سے رد کر دینے کی اس آئیڈیالوجی کو ذوالفقار علی بھٹو شہید نے پاکستان کی تخریب (Liquidation of this Islamic state) کی آئیڈیالوجی کا نام دے رکھا ہے! سٹیفن فلپ کوہن کی زیرِ نظر کتاب تخریب کی اِسی آئیڈیالوجی کو پاکستان کی اشرافیہ میں مقبولِ عام بنانے کی ایک کوشش ہے۔

☆☆☆

۲۳۔ مطبوعہ: DAWN، ۲۶ فروری ۲۰۰۵ء

Abstract

The author has reviewed the book written by Stephen Philip Cohan and analysed his views about Pakistan and its future. Criticizing Cohan's view point, the author has discussed the idea of Pakistan in its historical context. He has denied the assumption that Pakistan came into being to be a secular state. Rather, he insists that Pakistan has a strong ideological basis and the state is bound to establish its structure on the foundation of Islamic Ideology. The author also vigoursly denies Cohan's statement about Pakistan being a failed state and assures that Pakistani nation, possesses unlimited potential to grow and is closely attached to its Islamic Identity.